فروض کفایہ اور عصر حاضر
کے مسلمانوں کا رویہ

ترتیب اور نتیجہ فکر
الحاج قاری محمد ارشاد علی

تفصیلات طباعت

نام کتاب	فروض کفایہ اور عصر حاضر کے مسلمانوں کا رویہ
مؤلف	الحاج قاری محمد ارشاد علی
صفحات	۴۱
اشاعت	اگسٹ ۲۰۱۰
قیمت	مُفت
اہتمام	صاحبزادہ محمد طاہر علی
ای میل	islahitohfa@gmail.com

تنبیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فروض کفایہ اور عصر حاضر کے مسلمانوں کا رَویہ

ایک تجزیہ:۔ سارے مسلمان واقف ہیں کہ اسلامی شریعت میں ارکان اسلام پانچ ہیں (۱) کلمہ توحید (۲) نماز (۳) روزہ (۴) زکوۃ (۵) حج۔ اسی طرح

احکام اسلام ہیں یعنی وہ احکام جو بندوں کے اعمال اور افعال سے متعلق ہیں۔ (۱) فروض عین و فروض کفایہ (۲) واجب (۳) سنت (۴) مستحب (۵) حلال و حرام و مکروہ و مباح۔ اِس وقت میں فروض کفایہ کے مَالَہٗ اور مَاعَلَیہٖ کے تعلق سے اجمالاً عرض کرونگا۔

فرض کفایہ کی تعریف:۔ شریعت میں فرض کفایہ ایسے فرض کو کہتے ہیں جسکی ادائیگی یا جس کا کرنا ہر ایک پر انفرادی اعتبار سے فرض نہیں ہے بلکہ اجتماعی طور پر کسی کے تعیین کے بغیر ہر ایک پر فرض ہے مگر بعض لوگوں کے کرنے سے دوسروں کے ذمےّ سے ادا ہو جاتا ہے۔ اور نہ کرنے پر اس کا وبال سب پر ہے۔

فروض کفایہ کے مشمولات:۔ جہاد کرنا۔ عَالِم دین بننا۔ تبلیغ دین کرنا۔ نماز جنازہ تجہیز و تکفین کرنا۔ جہاد کیلئے گھر اور وطن چھوڑنا۔ تبلیغ دین کیلئے سفر کرنا۔ حصول علم دین کیلئے سفر کرنا۔ پورا کلام پاک حفظ کرنا۔ مبہم مسئلہ کو اجتہاد سے واضح کرنا۔ مساجد تعمیر کرنا۔ مدارس عِلم دِین قائم کرنا، انکی تعمیر اور انکی نگرانی کرنا ۔ بھوک پیاس سے مرنیوالے کی جان بچانا۔ خلافت کو قائم کرنا۔ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرنا۔ سلام کا جواب دینا۔ وغیرہ۔ عام طور پر وہ احکامِ شرعی جن کا تعلق اجتماعی اور قومی ضرورتوں سے متعلق ہیں، اُن کو شریعت میں فرض کفایہ ہی قرار دیا

گیا ہے، تاکہ تقسیم عمل کے اُصول پر تمام فرائض دین کی ادائیگی ہو سکے ، کہ کچھ لوگ دفاع کا کام انجام دیں تو کچھ لوگ تعلیم و تبلیغ کا کام ،تو کچھ لوگ دوسرے اسلامی یا انسانی ضروریات مہیا کرنے کے کام اپنے ذمّہ لیں۔

فرض وہ ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو ، اسکا منکِر کافر ہے اور اسکا بلا عذر ترک کرنیوالا فاسق اور مستحق عذاب شدید ہے۔ اسی طرح فرض ِعین وہ ہے جسکا کرنا ہر مسلمان پر فرض اور ضروری ہے اور یہہ سارے ارکان اسلام ہر مسلمان پر فرض عین ہیں۔ (شرح کی نظر میں فرض عین سے فرض کفایہ بڑا ہے اسکی دلیل یہہ ہے کہ اگر کوئی شخص فرض عین ترک کرتا ہے تو وہ ایک شخص ہی گناہ گار ہوتا ہے اور اگر کوئی شخص فرضِ کفایہ کو ترک کر دے تو سب مسلمان گناہ گار ہو جاتے ہیں۔)

فرض کفایہ کا حالات سے گہرا تعلق ہے۔ایک مثال

دشمنِ اسلام سے عام حالات میں جنگ فرض کفایہ ہے جس کا حکم یہ ہے کہ مسلمانوں کی کچھ جماعت جو جنگ کیلیۓ کافی ہو جنگ میں مشغول رہے تو باقی مسلمان اِس فرض سے سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ اور اگر جنگ میں شریک ہونیوالی جماعت کافی نہ ہو اور وہ مغلوب ہونے لگے تو اطراف و اکناف کے مسلمان اُنکی مدد کیلیۓ نکلنا اور جنگ میں شریک ہونا فرض ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اگروہ بھی کافی نہ ہوں تو انکے متصل جو مسلمان ہیں ان پر بھی جنگ فرض عین ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اگروہ بھی کافی نہ ہوں تو سارے عالم کے مسلمانوں پر جنگ فرض عین ہو جاتی ہے۔ ---اس سے پتہ چلا کہ اکثر اوقات عام حالات والے فروض کفایہ ایسے مرحلے میں داخل ہو جاتے ہیں کہ انکی نوعیت بدل جاتی ہے، یعنی اس کام کی تکمیل کی ذمّہ داری

سب پر آ جاتی ہے۔ اور سب کا فرض ہو جاتا ہے کہ اس کام کی تکمیل کیلئے جمع ہو جائیں۔ یعنی حالات کے تحت فروض کفایہ والی ذمہ داری عام ہو جاتی ہے۔

اسی کی طرح دیگر اہم فروض کفایہ ہیں جیسے عَالِم بننا یا نماز جنازہ تجہیز و تکفین وغیرہ۔ اس بات کو ایک مثال سے واضح کرنا ضروری ہے۔ فرض کریں کہ اگر کسی بستی میں کوئی عَالِم بنتا ہے یا کہیں سے ایک عَالِم کو بستی کے لوگ لا کر بستی میں رکھ کر اس سے عِلمی فائدہ اُٹھاتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ عَالِم اس پوری بستی کیلئے عِلم دین پہچانے کے اعتبار سے کافی ہونا چاہیے۔ اب رہ گیا یہ سوال کہ اس عَالِم کی کیا استعداد ہے اور اس بستی میں لوگوں کی تعداد کتنی ہے کہ ایک عالم اپنا فریضہ ایصال علم دین ادا کرنیکے لئے کافی ہو جائے۔ یہہ ایک عام فہم بات ہے کہ ایک عالم (مفروضے کے طور پر) ۱۰۰ آدمیوں کیلئے کافی ہو جائیگا، لیکن اگر بستی ۱۰۰ کے بجائے ایک ہزار لوگوں پر مشتمل ہو تو ۹ عالم اور ہونی چاہیے۔ تاکہ علم دین پہنچانیوالی فرض کفایہ کی ذمّہ داری پوری ہو سکے۔ اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو بستی والے گناہ گار ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

مزید وضاحت کیلئے ایک اور مثال پیش نظر ہے۔ ایک ایسی بستی جس میں ۱۰۰ آدمی رہتے ہیں وہاں اگر کسی کا انتقال ہو جاتا ہے تو غسل، تکفین و تدفین اور نماز جنازہ (یہہ سب فرض کفایہ ہیں) کیلئے اس بستی کے ۱۰ آدمی اگر اپنے کو اس کام کیلئے فارغ کر لیتے ہیں تو وہ کام طے پا جاتا ہے۔ خدانخواستہ اگر کسی وبا کے پھوٹ پڑنے سے ایسا سانحہ (Tragedy) پیش آ گیا کہ ایک ہی دن میں ۱۰ آدمی مر گئے تو ساری بستی تجہیز و تکفین وغیرہ میں لگ جانا ضروری ہو جاتا ہے۔ ایسے وقت میں اگر کوئی کہدے کہ بھائی یہ تو فرض کفایہ ہے کچھ لوگ کر لیں تو کافی ہے، تو یہہ ایک بے جا

اور بے موقع بات ہو گئی۔ چنانچہ مشاہدہ میں آتا ہے کہ ساری بستی کے لوگ اس فریضہ کو پورا کرنے میں لگ جاتے ہیں۔

اس سے پتہ چلا کہ ایک فرض کفایہ کی ادائیگی یعنی مُردوں کو دفن کرنے کے معاملے میں مسلمان کافی حس رکھتے ہیں اور اگر ایسا نہ کریں تو پھر خود بستی والوں کا بستی میں رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ علم دین کا معاملہ بھی فرض کفایہ ہی کا ہے۔ لیکن لوگوں میں وہ حس باقی نہیں رہی حالانکہ اعتقادی گندگی اور اعمال کی بے ترتیبی، علم دین کے نہ ہونے پر بہت عام ہے۔

حصُول عِلم دین کی اہمیت اللہ تعالیٰ حسب ذیل آیت میں ظاہر فرماتے ہیں

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾ (التوبة : ١٢٢) (اور کچھ ضروری نہیں تھا کہ اہل ایمان سارے کے سارے نکل کھڑے ہوتے مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ آبادی کے ہر حصے سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جاکر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبردار کرتے تاکہ وہ (غیر مسلمانہ روشی سے) پرہیز کرتے۔

سورہ توبہ مدنی سورت ہے اور یہ عین اسوقت نازل ہوئی جبکہ اسلام کی تحریک کامیابی کے مرحلوں میں داخل ہو کر زمین پر اُسکا اقتدار قائم ہو چکا تھا جسکے نتیجے میں اطراف کی ساری آبادیاں فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہی تھیں۔ اکثر لوگ ایسے تھے جو اسلام کے تمام تقاضوں کی سمجھ بوجھ نہ رکھتے تھے اور اسلام میں داخل ہو چکے تھے یعنی ایک وقت کا سیلاب تھا اس میں غیر شعوری طور پر بہے چلے آگئے تھے۔

نو مسلم آبادی کا یہہ تیز رفتار پھیلاد اسلام کیلئے باعث قوت ہونیکے بجائے نقصان دہ ثابت ہو رہا تھا۔ اسکی وجہ یہ تھیں کہ وہ لوگ شعور اسلام سے دور تھے اور اسلام کے اخلاقی نظام کے مطالبات پورے کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ چنانچہ یہ نقصان غزوہ تبوک کے وقت کھل کر سامنے آگیا تھا اس لئے عین وقت پر اللہ تعالی نے مذکورہ آیت میں یہہ ہدایت دی کہ جس رفتار سے اسلام کی تحریک عام ہو رہی ہے اُسی کے مطابق اُسکے استحکام کی تدبیر اور اُسکو مضبوط بنانے کے طریقوں کا اہتمام ہونا چاہیے اور وہ اسطرح ہے کہ ہر حصّہ آبادی میں سے چند لوگوں کو لیکر تعلیم و تربیت کی جائے پھر وہ لوگ اپنے اپنے علاقوں میں واپس جاکر عوام کی تعلیم و تربیت کا فرض انجام دیں یہاں تک کہ مسلمانوں کی پوری آبادی میں اسلام کا شعور اور اسلام کے احکام کا علم عام ہو جائے۔

قرآن خوانی نہیں بلکہ قرآن فہمی کی طرف محنت کی جائے۔

یہاں ایک اور بات سمجھ لینی ہے کہ "تعلیم عمومی" کے جس انتظام کا حکم آیت مذکورہ میں دیا گیا ہے اسکا اصل مقصد "عامتہ النّاس" کو محض تعلیم یافتہ بنانا اور ان میں کتاب خوانی کی نوعیت کا علم پھیلانا نہیں تھا بلکہ واضح طور پر اس کا مقصد حقیقی یہ متعین کیا گیا تھا کہ لوگوں میں دین کی سمجھ پیدا ہو اور ان کو اس حد تک ہوشیار اور خبردار اور باشعور کر دیا جائے کہ وہ غیر مسلمانہ روش اور طرز زندگی سے بچنے لگیں۔

آیت مذکورہ میں لفظ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ کا استعمال ہوا ہے۔ یعنی دین کو سمجھنا ہے اسکے نظام میں بصیرت حاصل کرنا ہے اور اسکے مزاج اور اسکی روح سے آشنا ہونا ہے اور اس قابل ہو جانا ہے کہ فکر و عمل کے ہر گوشے میں اور زندگی کے ہر شعبے

میں انسان یہ جان سکے کہ کونسا طریق فکر اور کونسا طرز عمل روح دین کے مطابق ہے۔

فرض کفایہ کے سلسلے کا ایک اہم کام دینی تعلیم ہے جس کا ذکر آیت مذکورہ میں خصوصیت کے ساتھ اسکے فرض ہونے کا ذکر اسطرح کیا گیا ہے کہ جنگ جیسے اہم فرض میں بھی لوگ اس فرض کو نہیں چھوڑنا چاہیے جس کی صورت یہ بتلائی گئی ہے کہ ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جنگ کیلئے نکلے اور باقی لوگ علم دین حاصل کرنے میں لگیں۔ تاکہ اسکے حصول کے بعد، جنگ سے واپس ہونیوالے مسلمانوں کو اور اپنے علاقے کے مسلمانوں کو علم دین سکھائیں۔ قرآن مجید نے آیت مذکورہ میں علم دین کی حقیقت اور اُس کا نصاب بھی ایک ہی لفظ میں بتلادیا وہ ہے لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ ہے قرآن نے اس جگہ تعلیم کا لفظ چھوڑ کر تفَقّهُو کا لفظ اختیار فرماکر اس طرف اشارہ کر دیا کہ علم دین کا محض پڑھ لینا کافی نہیں ہے وہ تو غیر لوگ بھی پڑھ لیتے ہیں۔ یہاں علم دین سے مراد "دین کی سمجھ "پیدا کرنا ہے ۔ دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کریم نے اس جگہ مُجرّد کا صیغہ (لِّيَفقَهُواالدِّينِ) (تاکہ تم دین سمجھ لو) نہیں فرمایا بلکہ لِّيَتفقَهُوا فِي الدِّينِ فرمایا جو باب تَفَعُّل سے ہے اسکے معنی میں محنت و مشقت کا مفہوم شامل ہے۔ مراد یہ ہے کہ دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے میں پوری محنت اور مشقت اٹھاکر مہارت حاصل کریں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ دین کی سمجھ بوجھ یہ ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ اسکے ہر قول اور ہر فعل اور ہر حرکت و سکون کا آخرت میں اِس سے حساب لیا جائیگا۔ اِسکو اِس دنیا میں اسطرح رہنا چاہیے۔ دراصل اسی فکر کا نام دین کی سمجھ بوجھ ہے۔ اس لئے حضرت امام اعظم نے فقہ کی تعریف یہ کی ہے کہ انسان اُن تمام کاموں کو بھی سمجھ لے

جن کا کرنا اسکے لئے ضروری ہے۔اور ان تمام کاموں کو بھی سمجھ لے جن سے بچنا اسکے لئے ضروری ہے ۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ علم دین حاصل کرنے کا مفہوم، قرآن کی اصطلاح میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنا ہے کہ وہ جن ذرائع سے بھی حاصل ہو خواہ کتابوں سے یا اساتذہ کی نصیحت سے ہو ،سب اسی نصاب کے اجزاء ہیں۔ آج کل جو علم فقہ، مسائل جُزئیہ کے علم کو کہا جاتا ہے، یہ بعد کی اصطلاح ہے اور یہ رفتہ رفتہ اسلامی زندگی کی محض صورت کا تفصیلی علم بَن کے رہ گیا حالانکہ وہ مقصود نہیں ہے بلکہ جُزِ مقصود ہے۔اور مسلمان غلطی سے اِسی کو روح دین سمجھ لیے۔ مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کو جس چیز نے روح دین سے خالی کر کے محض جسم دین اور شکل دین کی تشریح پر مرتکز (concentrate) کر دیا وہ بڑی حد تک یہی غلط فہمی ہے ۔جس کی وجھ سے مسلمانوں کی زندگی میں ایک بے جان ظاہر داری ہی دین داری کی آخری منزل ہو گئی۔ زیر بحث مضموں کو سمجھنے کی خاطر اس کو حسب ذیل عنوانات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(۱) علم دین کی اہمیت اور طالب علم دین کی فضیلت ۔
(۲) علم دین کے فرض عین ہو نیکی تفصیل ۔
(۳) علم دین کے فرض کفایہ ہو نیکی تفصیل ۔
(۴) عالم کے فرائض ۔

علم دین کی اہمیت اور طالب علم دین کی فضیلت

حدیث :۔ مَنْ سَلَكَ طَرِيقا يَبْتَغي فيه عِلْما سَهَّل الله له طريقا إلى الجنة

جو شخص کسی راستے پر چلے جس کا مقصد علم حاصل کرنا ہو تو اللہ تعالیٰ اس چلنے کے ثواب میں اُس کا راستہ جنت کی طرف کر دینگے۔

حدیث:۔إن الملائكة لتضع اجنحتها رضا لطالب العلم

اللہ کے فرشتے طالبعلم کیلئے اپنے پر بچھاتے ہیں۔

حدیث:۔ إن طالب العلم، ليستغفر له من في السماء والارض حتى الحيتان في الماء، عالم کیلئے تمام آسمانوں اور زمین کی مخلوقات اور پانی کی مچھلیاں دُعا اور استغفار کرتی ہیں۔

علم افضل ہے نفلی عبادت سے حدیث :۔ إن فضل العالم على العابد كفضل القمر على سائر النجوم (عالِم کی فضیلت، کثرت سے نفلی عبادت کرنیوالے پر، ایسی ہے جیسے چودھویں کے چاند کی فضیلت باقی سب ستاروں پر ہے۔)

حدیث:۔إن العلماء هم ورثة الانبياء (علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔) انبیاء سونے چاندی کی کوئی میراث نہیں چھوڑتے لیکن علم کی وراثت چھوڑتے ہیں تو جس شخص نے یہ وراثت حاصل کرلی اس نے بڑی دولت حاصل کرلی۔

حدیث :۔ فَقِيْهٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ۔ (ایک فقیہ، شیطان کے مقابلہ میں ایک ہزار عبادت گزاروں سے زیادہ قوی اور بھاری ہے۔)

حدیث :۔ دارمی نے اپنے مسند میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول ﷺ کے پاس کوئی شخص آکر دریافت کیا کہ بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے ایک عالم تھا جو صرف نماز پڑھتا اور اور پھر لوگوں کو دین کی تعلیم دینے میں مشغول ہو جاتا تھا۔ دوسرا آدمی دن بھر روزہ رکھتا اور رات میں عبادت کو کھڑا ہو جاتا تھا، ان دونوں میں افضل کون ہے ؟آپ نے ارشاد فرمایا کہ اُس عالم کی فضیلت، عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ آدمی پر ہے۔

حدیث :۔ جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے مگر تین عمل ایسے ہیں جن کا ثواب انسان کو مرنیکے بعد بھی پہچتا رہتا ہے (۱) صدقہ جاریہ جیسے مسجد یا دینی ادارے، عمارت یا دفاہ عام کے ادارے قائم کرنا۔ (۲) وہ علم جس سے اُسکے بعد بھی لوگ فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ مثلاً شاگرد عالم ہو گیا اور علم دین سکھانے کا جو سلسلہ تھا وہ آگے چلتا رہا یا پھر کوئی کتاب تصنیف کی جس سے اسکے بعد بھی لوگ فائدہ اٹھاتے رہے۔ (۳) تیسرے اولاد صالح جو اُسکے لیے دُعا اور ایصال ثواب کرتے رہے

اقوال علماء کرام :۔

۱۔ شیخ الہند حضرت محمود الحسن نے فرمایا کہ مسلمانوں کی تباہی کے صرف دو اسباب ہیں۔ (۱) سلمانوں کا قرآن کو ترک کرنا ہے۔ (۲) آپس میں جنگ و جدل کرنا۔

۲۔ حضرت خواجہ حسنِ نظامی رحمہ نے فرمایا کہ دنیا میں دو چیزیں مظلوم ہیں (۱) قرآن کریم

(۲) حضرت حسین شہید کربلا۔

۳۔ شیخ الاسلام حافظ عارف باللہ محمد النوار اللہ فاروقی المُخاطب بہ فضیلت جنگ قدّس سرّہ، تعلیم دین کو دین کی عمارت کی بنیادی اینٹ سمجھتے تھے۔ یعنی وہ عمارت جس پر ملک اور قوم کی عملی اور فکری زندگی کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ اگر پہلی اینٹ ٹیڑھی ہو تو پوری عمارت ٹیڑھی اور اگر پہلی اینٹ سیدھی ہو تو پوری عمارت سیدھی ہوگی۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اذکار اور مناجات کے بجائے علوم دینیہ کی تعلیم اور تعلم اور اُن کی اشاعت میں مسلمانوں کو کُوشاں رہنا چاہیے۔ کیونکہ اسکے

برابر کوئی عبادت باعث تَقَرّب الٰہی نہیں ہے۔ بعد ادائی فرض ، افضل عبادت تحصیل علم دین ہے۔۔۔ اور اسکی اشاعت ہے۔ اگر کوئی خود کو اس میں مشغول رکھے تو اسکے مدارج میں روز افزوں ترقی ہوتی ہے۔ گو اِسکو اِسکا عِلم نہ ہو اور اس کے ساتھ خدا اور رسول کی خوشنودی اور قربت حاصل ہوتی ہے۔ جس طرح سورج اپنی روشنی سے، اور رات اپنی تاریکی سے، گلاب اپنی مہک سے، اور عطر اپنی خوشبو سے، پرند اپنی چہک سے پہچانا جاتا ہے۔اسی طرح انسان کی بھی ایک پہچان ہے اور وہ ہے علم - کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیق کے وقت ہی انسان کا رشتہ علم سے جوڑ دیا (وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا)اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فریضہ نبوت سے سرفراز فرمایا توآغاز میں تعلیم و تعلم کی تلقین اور ہدایت کیگئی ہے (اقرأ)
صحیح علم دین کے نہ ہونے سے مسلمانوں میں مظاہر دین تو جاگے لیکن حقیقت دین نہ آسکی --کچھ اور احادیث۔

۱۔ صدقہ صرف مال ہی میں نہیں بلکہ علم میں بھی ہے

حدیث: فْضلُ الصَّدَقةِ أنْ يَتعَلَّمَ المَرْءُ المُسلِمُ عِلْمًا ، ثُم يُعَلِّمُهُ أخاهُ المُسلِمَ

افضل صدقہ، علم اور حکمت ہی کا ہے آدمی خود علم حاصل کرے اور دوسروں کو دے۔

۲۔ علم کی اشاعت سخاوت ہے۔

حدیث: کیا تم جانتے ہو کہ سخاوت میں کون سب سے بڑھکر ہے ؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اللہ اوراسکا رسول خوب جانتے ہے آپ نے فرمایا سخاوت میں سب سے بڑھکر اللہ ہے پھر بنی آدم میں سب سے زیادہ سخی میں ہوں۔ اور میرے بعد

جو دو سخاوت میں سب سے بڑھکر وہ ہے جس نے عِلم حاصل کیا اور اس کو پھیلایا۔ یہ شخص روز قیامت ایک امیر کی طرح آئیگا یا ایک جماعت کی طرح آئیگا (شک راوی)

۳۔ دین اسلام میں عقل اور شعورِ انسانی کی اہمیت۔

حدیث۔ ایک شخص نماز پڑھتا ہے روزہ بھی رکھتا ہے زکوٰۃ بھی دیتا ہے حج بھی کرتا ہے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے تمام نیکیوں کا ذکر فرما دیا مگر قیامت کے دن اُسکو اُسکی عقل کے مطابق ہی بدلہ دیا جائیگا۔

یعنی عقل اور فہم کو دین میں بنیادی حیثیت حاصل ہے کہ انسان جسقدر شعور اور عقل اور فہم والا ہوگا اُسی قدر وہ اونچی عبادت والا ہوگا اور وہ اُسی قدر عبادت کے اصل مقصد سے باخبر ہو سکیگا اور خدا کے احکام اور منشاء کو پورا کر سکیگا۔

۴۔ تھوڑا علم زیادہ عبادت سے بہتر ہے۔

حدیث:۔ قَلِيلُ الْعِلْمِ خَيْرٌ مِنْ كَثِيرِ الْعِبَادَةِ

۵۔ علم دین تمام نعمتوں سے افضل ہے۔

﴿ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ﴾ آیت بقرہ ۲۶۹ (جسکو دانائی ملی بے شک اسکو بڑی نعمت ملی)

(نوٹ آیت مذکورہ میں لفظ خیر اسم تفضیل ہے اس سے پتہ چلا کہ علم دین تمام نعمتوں سے افضل ہے۔)

۶۔ تم میں بہتر اللہ کی نظر میں کون ہے؟

حدیث: خيرُكم مَن تعلَّمَ القرآنَ وعلَّمَهُ.

۷۔ اللہ کی معرفت میں غور و فکر، نفل عبادت سے افضل ہے۔

حدیث: تفکر ساعة خير من عبادة ستين سنة (کتاب الزہد، ج: 305، ط: مکتبۃ الرشد)

(دین کے معاملہ میں کچھ دیر کا غور و فکر کرنا ۶۰ سال کی نفل عبادت سے افضل ہے)

نوٹ۔ کائنات میں مسلسل غور و فکر، قرآن کریم کی بنیادی دعوت ہے اسی لئے قرآن کریم میں غور و فکر کی دعوت ۱۹ سے زیادہ مقامات پر دیگئی ہے۔

-ذہنی تربیت یا باشعوری-

تعلیم صرف روزگار کے لئے سند نہیں ہے بلکہ اصلی مقصد تعلیم وتربیت کے ذریعے قوم کو باشعور بنانا ہے۔ اور یہ ملت کی تعمیر کا پہلا قدم ہے۔ تعلیم قوم کو مہذب بھی بناتی ہے اور باشعور بھی۔

باشعوری کیا ہے؟

(۱) ملت کے افراد، ماضی اور حال کو ایک دوسرے سے جوڑ سکیں۔

(۲) زندگی کے مسائل کو خالق کی تخلیق کائنات کے منصوبے کے تناظر میں رکھ کر دیکھ سکیں۔

(۳) وُجُود - بقاء وجود - اور مقصد وجود کو سمجھ سکیں۔

(۴) اپنے ارادے کو خدا کے ارادے (مَشِیّت) کے تحت کر کے ہم آہنگی اختیار کریں۔

(۵) شر کو خیر سے اور حق کو باطل سے جدا کر سکیں۔ جانبداری اور غیر جانبداری کو سمجھ سکیں۔

(٦) مسلمانوں کے اندر ایمانی شعور پیدا کرنا اور دینی جذبہ پیدا کرنا اور انکو اس قابل بنانا کہ وہ اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کو سمجھ سکیں۔

(٧) باشعور آدمی، حق پرستاروں اور حق کے باغیوں کے درمیان تمیز کر سکیں ،آدمی کے

مزاج کو شعور مَنفی رُخ سے مثبت رخ کی سمت میں پھیر دیتا ہے۔ اسطرح ذہن کی اصلاح سے عمل کی اصلاح ہوتی ہے اور ذہن کی تعمیر سے زندگی کی تعمیر ہوتی ہے۔ اسطرح اسلام ، انسان کو انسانی زندگی کی معنویت اور مقصدیت کو سمجھاتا ہے۔ اسلام کا مقصد ایک تخلیقی انسان پیدا کرنا ہے ۔ اللہ پر ایمان آدمی کے اندر تخلیقی اوصاف کو جگاتا ہے۔ اسکی سوچ ،عام سوچ سے اونچی ہو جاتی ہے۔اس کا کردار آخرت رُخی کردار ہو جاتا ہے۔

خدا پر عقیدے کی دو صورتیں ہیں۔

ایک تو خدا پر تقلیدی طور پر عقیدہ ہے جو مسلمانوں میں عام ہے ۔ دوسرا خدا پر زندہ عقیدہ ہے۔ خدا پر تقلیدی عقیدہ ایک بے جان عقیدہ ہے ایسا عقیدہ آدمی کی روح کو نہیں تڑپاتا وہ آدمی کے اندر ہلچل اور انقلاب برپا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ خدا کے تقلیدی عقیدے میں خدا کو ماننا ہوتا ہے ، خدا سے ڈرنا نہیں ہوتا ۔ لیکن خدا پر زندہ عقیدے کا معاملہ الگ ہے آدمی کے اندر ایک بھونچال پیدا کرتا ہے ۔ احساسات اور جذبات کا ایک طوفان اسکے اندر جنم لیتا ہے ۔ خدا پر زندہ عقیدہ خدا کی معرفت اور خدا کی عظمت اور خدا کا جلال اور اُسکی قدرت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اسطرح خدا پر زندہ عقیدہ اور خدا کا خوف ایک ہی بات ہے۔اور اللہ کے پاس تقلیدی عقیدے کی کوئی اہمیت نہیں ہے ۔

زندہ عقیدے کی علامات۔

زندہ عقیدہ کی علامات یہ ہیں کہ ایک مسلمان جاھلی عادات ، مقامی رسومات اور روایات اور خود ساختہ قوانین - بدعات - مغرب کے راھبانہ اور مشرق کے جوگیانہ میلانات اور باطل تصوف سے دور رہنے والا ہوتا ہے۔

اس کے برعکس تقلیدی عقیدے پر جو کاربند ہوتا۔ وہ مذکورہ ساری علامات سے چمٹا ہوا ہوتا ہے ،اِس سے اِن باتوں کو چُھڑانا یا اِسکو اِن باتوں سے دور رکھنا ایسا ہی مشکل کام ہے، جیسا کسی نو مولود کا دودھ چھڑانا مشکل ہے ۔ بے کرداری ، بے شعوری کا نتیجہ ہے۔

علم دین کے فرض عین ہونیکی تفصیلات

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "طلبُ العِلمِ فریضةٌ علی کلِّ مسلمٍ" (علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے)

یہ بات ظاہر ہے کہ مذکورہ حدیث میں اور پچھلی احادیث میں علم سے مراد علم دین ہی ہے۔ دنیوی علوم اور فنون ، عام دنیا کے کاروبار کی طرح انسان کیلئے ضروری سہی مگر، اُن کے وہ فضائل نہیں جو احادیث مذکورہ میں آئے ہیں۔ پھر علم دین ایک علم نہیں بلکہ بہت سے علوم پر مشتمل ایک جامع نظام ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر مسلمان مرد اور عورت اس پر قادر نہیں ہو سکتے کہ اُنکو پورا پورا حاصل کر سکے ۔ اسلئے حدیث مذکور ہیں علم کا طلب کرنا جو ہر مسلمان پر فرض فرمایا ہے اس سے

مراد علم دین کا وہ حصہ ہے جسکے بغیر آدمی نہ فرائض ادا کر سکتا ہے اور نہ حرام چیزوں سے بچ سکتا ہے جو ایمان اور اسلام کیلئے ضروری ہے۔

باقی علوم کی تفصیلات اور قرآن اور حدیث کے تمام معاریف و مسائل پھر اُن سے نکالے ہوئے احکام شرائع کی پوری تفصیل یہہ نہ ہر مسلمان کی قدرت میں ہے اور نہ ہر ایک پر فرض عین ہے البتہ پورے عالم اسلام کے ذمّہ فرض کفایہ ہے، کہ ہر شہر میں ایک عالم ان تمام علوم و شرائع کا ماہر موجود ہو تو باقی مسلمان اس سے سبکدوش ہو جاتے ہیں اور جس شہر یا قصبہ میں ایک بھی عالم نہ ہو تو بستی والوں پر فرض ہے کہ اپنے میں سے کسی کو عالم بنائیں یا پھر باہر سے کسی عالم کو بلا کر اپنے شہر میں بسائیں تا کہ ضرورت پیش آنے پر باریک مسائل کو اُسی عالم سے فتوی لے کر سمجھ سکیں اور عمل کر سکیں۔ اس اعتبار سے علم دین میں فرض عین اور فرض کفایہ کی تفصیل یہ ہے

علم دین کا اجمالی نصاب جو ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے

ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے کہ اسلام کے عقائد صحیحہ کا علم حاصل کرے ۔ طہارت اور نجاست کے احکام سیکھے۔ نماز روزہ اور تمام عبادات جو شریعت نے فرض اور واجب قرار دی ہیں اُن کا علم حاصل کرے ۔ جن چیزوں کو حرام یا مکروہ قرار دیا گیا ہے اُن کا علم حاصل کرے ۔ جس شخص کے پاس بقدر ضرورت یعنی بقدر نصاب مال ہو اُس پر فرض ہے کہ وہ زکوۃ کے مسائل اور احکام معلوم کرے۔ جس کو حج پر قدرت ہے اُسکے لئے فرض عین ہے کہ وہ حج کے احکام و مسائل معلوم کرے۔ جس کو بیع و شَرَاء کرنا پڑے یا جس کو تجارت یا صنعت یا مزدوری اور اُجرت کے کام کرنے پڑے اُس پر فرض عین ہے کہ وہ بیع و شَرَاء وغیرہ کے مسائل

معلوم کرلے ۔ غرض جو کام شریعت نے ہر انسان پر فرض اور واجب کئے ہیں اُن کے احکام اور اُن کے مسائل کا علم حاصل کرنا بھی ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

علم تصوف بھی فرض عین میں داخل ہے۔

احکام ظاہرہ نماز ۔ روزے کو تو سبھی جانتے ہیں کہ وہ فرض عین ہے اور اُن کا علم حاصل کرنا بھی فرض عین ہے قاضی ثنا اللہ پانی پتی رحمت اللہ نے تفسیر مظہری میں اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ اعمال بَاطِنہ اور مُحرّمَات بَاطِنہ کا علم جس کو عَرف میں علم تصوّف کہا جاتا ہے چونکہ یہ باطنی اعمال ہر شخص پر فرض عین ہے تو ان کا علم بھی سب پر فرض عین ہے۔اس

جگہ فرض عین سے مراد تصوّف کا صرف وہ حصّہ ہے جس میں اعمال باطنہ ، فرض اور واجب کی تفصیل ہے ۔ جیسے عقائد صحیحہ جس کا تعلق باطن سے ہے یا صبر و شکر و توکُل و قناعت وغیرہ ایک خاص درجے میں فرض ہیں۔ یا غرور و تکبیر حسد و بغض ، بخل اور حرصِ دنیا وغیرہ جو قرآن و سنت سے ، حرام ہیں ۔ اُنکی حقیقت اور حرام چیزوں سے بچنے کے طریقے معلوم کرنا بھی ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے ۔ علم تصوّف کی اصل بنیاد اتنی ہی ہے جو کہ فرض عین ہے ۔ (نوٹ ہر مسلمان اپنے ذہن میں یہہ بٹھا لیا ہے کہ موٹا موٹ علم کافی ہے وہ ایک زبردست غلط فہمی ہے ۔)

علم دین کے فرض کفایہ ہونیکی تفصیل

علم دین کا وہ نصاب جو فرض کفایہ ہے۔

فروض کفایہ کے مشمولات اِجمالاً صفحہ نمبر ۱ پر آ چکے۔اُن میں سے صرف علم دین کی تفصیل ذیل میں ہے۔ پورے قرآن مجید کے معانی و مسائل کو سمجھنا ، تمام احادیث کو سمجھنا اور ان میں معتبر اور غیر معتبر کی پہچان کے اقوال اور آثار (اقوال صحابہ) سے واقف ہونا یہ اتنا بڑا کام ہے کہ پوری عمر اور سارہ وقت اس میں خرچ کر کے بھی صدفی صد حاصل کرنا آسان نہیں ہے اس لئے شریعت نے اس علم کو فرض کفایہ قرار دیا ہے کہ بقدر ضرورت کچھ لوگ یہ سب علوم حاصل کر لیں تو باقی مسلمان سبکدوش ہو جائینگے۔

اکثر مسلمان فروض عین ہی سے لاپرواہی برت رہے ہیں۔

عصر حاضر تو قُرب قیامت کا زمان ہے ،علامات صغریٰ میں سے بیشتر علامات کا ظھور ہو چکا اور پیشین گوئی کے مطابق ایمان اور اعمال کی فضاء میں انحطاط آ چکا ہے۔ اُمّت مسلمہ کا حال ناگفتہ یہ ہے۔ فروض کفایہ کو ایک طرف رکھئے، فروض عین مذکورہ کی طرف سے لاپرواہی برتی جارہی ہے۔

بازار میں لاکھوں ہیں مسجد میں فقط جُمّن

امّت مسلمہ کا سواد اعظم ناخواند (illiterate surrounding) خوش خیالیوں اور خود فریبیوں اور خوش کُن باتوں میں اور تمناوں میں مست ہیں، خود مستی اور خود پسندی عام ہو چکی ہے۔ خواہشات بے بنیاد ، مبالغہ آمیز فضائل، من گھڑت

قصّوں اور طِلسماتی داستانوں کے مجموعے کو دین کا نام دیدیا گیا ہے۔ جو ایک بہت بڑی غلطی ہے۔

قرآن کے معانی کے بجائے صورتوں کو مطلوب سمجھا جارہا ہے، دعا کے بجائے عملیات پر عمل ہو رہا ہے ، قرآن مسلمانوں کے حق میں ایک متروکہ کتاب (وراثت میں چھوڑا ہوا) ہو چکی ہے۔ ملفوظات بزرگان دین، مقولہ جات اور بے سند اعمال امّت میں عام ہوگئے ہیں۔ مسلمانوں کے درمیان بہت سے عملیاتی طریقے رائج ہو چکے ہیں۔ توحید، تصّوف باطل کی نذر ہو چکا، اعمال قرآنی کے نام پر مسلمانوں میں سفلی طریقے رائج ہوگئے ہیں یعنی تعویز، گنڈے، اُنکی دکانیں چلنے لگیں۔ قرآن کے متن میں تو علماء سوء تحریف نہ کر سکے البتہ اسکی تفسیر میں تحریف مَن مانی اور مَن چاہی کر چکے ہیں تاکہ اپنے پوشیدہ اعمال کیلئے قرآنی سند فراہم ہو سکے۔

قرآن مجید مسلمانوں کا قانون نہیں رہا، قرآن سے مسلمان فکری رہنمائی لینا چھوڑ چکے ہیں۔ قرآن مسلمانوں کی ذہنی غذا نہ بن سکی۔ انھوں نے قرآن کو آخرت کیلئے رہنما بنانا چھوڑ دیا۔ قرآن برکت کی کتاب، تعویز کی کتاب یا قسم کھانیکے لئے رہ گئی یا پھر کسی کے مرنے پر ختم قرآن کرنیکے لئے رہ گئی ہے۔

علماء حاملینِ قرآن ہیں۔ اُن کی آزمائش قرآن کے متن کی حفاظت میں نہیں ہے ،اُس کا انتظام مِنَ اللہ ہو چکا، بلکہ اُن کا امتحان معانی قرآن اور تفسیر قرآن میں تھا جسکی وہ حفاظت نہ کر سکے اور اس میں ناکام رہے۔

یہود کے علماء تورات مقدس کے متن میں تعریف کئے اور اُمّت محمدیہ کے علماء معانی اور تفسیر میں تحریف کئے اس طرح دین محمدی کو دین یہودیت کا روپ دیدیا

گیا ہے۔ رہبری کے انداز میں رہزنی ہو گئی۔ قرآن جو کتاب ہدایت اور کتاب اطاعت تھی کتاب زینت ہو گئی اب کیا رہ گیا؟ رسمی تلاوت اور وہ بھی بغیر ترتیل اور تجوید کے۔ قرآن فہمی اور قرآن دانی کا تو تصّور ہی نہیں کر سکتے۔

قرآن کی تعلیم اور اُسکی اہمیت

موجودہ ترقی یافتہ حالات میں عام مسلمان کے ذہن سے قرآن کی تعلیم کی اہمیت اور اسکی حقیقت بڑی حد تک نکل چکی ہے۔ جسکی وجہ سے پیغام الٰہی عام مسلمانوں تک نہیں پہنچ سکی۔

قرآن مجید کیا ہے؟

یہہ مؤمنانہ زندگی کیلئے الٰہی قوانین کا مجموعہ ہے۔ مؤمن خود اپنی زندگی کو قانون الٰہی پر چلانا ہے تو، قانون کو سمجھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ قانون کو پڑھنا الگ بات ہے کیونکہ کسی بھی حکم کی حقیقت کو جاننے کیلئے ضروری ہے کہ پہلے اُسکے لفظی اور معنوی حقیقت کو جانیں، چنانچہ لفظ تعلیم ،علم سے مشتق ہے اور علم کے معنی جاننے اور واقف ہونیکے ہیں۔ اس لحاظ سے تعلیم قرآن کے معنی ،قرآن کے احکام کو جاننا، معلوم کرنا اور واقف ہونا ہے اور یہ اُسی وقت ممکن ہے جب تعلیمِ قرآن کے عمل میں قرآن کے الفاظ سیکھنے سکھانے (یعنی علم التجوید) کے ساتھ ساتھ آیات قرآنی کے معانی اور مطالب کو بھی سیکھا اور سکھایا جائے۔

عبارت خوانی یا عبارت فہمی؟۔

یوں بھی ہر کتاب اور ہر قول میں جسطرح الفاظ مقصود ہوتے ہیں اُسی طرح معانی بھی مقصود ہوتے ہیں بلکہ حقیقتاً ہر بات میں الفاظ ذریعہ ہوتے ہیں اور معانی اور مطالب اُس بات یا اُس کتاب کا مقصود ہوتا ہیں۔

جب معانی اور مطالب سمجھ میں آجاتے ہیں تو دل پر ایک قسم کا اثر ہوتا ہے یعنی دل متاثیر ہوتا ہے، اس سے ایک احساس اور ایک جذبہ مُحرّک بنتا ہے کہ اُس پر عمل پیرا ہونیکے لئے دل میں ارادہ کرے، اسکے بعد کے مراحل اقدام - ارتکاب اور نتیجہ عمل ہیں۔ اس وضاحت سے یہ نتیجہ نکلا کہ قرآنی آیات کے معانی جانے بغیر آیات قرانی کی تلاوت " تلاوت کامل " نہیں کہلاتی ۔ بلکہ کامل تلاوت وہی ہوگی جبکہ تلاوت کرنے والا قرآن کے معانی اور مطالب کو جانتے ہوئے تلاوت کرے، اور " علم " لفظوں سے واقفیت کا نام نہیں ہے بلکہ معانی سے واقفیت کا نام ہے۔ عبارت خوانی کے ساتھ عبارت فہمی بھی ضروری ہے۔

عبارت خوانی کا تعلق قرآن کے متن کی حفاظت سے ہے اور عبارت فہمی کا تعلق راست " مسلمانوں کے عمل سے ہے " اور عمل ہر مسلمان پر فرض ہے ۔ عمل کی کیفیت کا اونچا ہونا، راست عبارت فہمی سے ہے نہ کہ عبارت خوانی ہے۔

نوٹ ۔ علم تجوید - یہ بھی ایک المیہ ہے کہ مسلمانوں میں سے اکثر و بیشتر علم تجوید سے نہ خود واقف ہیں اور نہ اپنی اولاد کو اُسکی تعلیم دلواتے ہیں اور ذہن میں یہ بات بٹھا لیے ہیں کہ یہ سب کیلئے ضروری نہیں ہے۔ اب اس سے بڑھ کر خود پسندی ، سطحیت پسندی اور خود مستی اور کیا ہو سکتی ہے۔ حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیاداری کی محنت میں دولت کمانے کے اعتبار سے اور اپنی اولاد کو دنیوی تعلیم دلانے کے اعتبار سے ، معیار زندگی کے اعتبار سے ، جائداد اور خوشحالی کے اعتبار سے، غیر مسلموں سے بھی آگے ہیں لیکن جب اُن سے اپنے کو اپنے بچوں کو دین سے

قریب لانے کے لئے اُردو سیکھانے اور تجوید سیکھانے اور سیکھنے کی بات ہوتی ہے تو گُریز کرتے ہیں۔ کیا اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے والے اس قماش کے لوگ ہوتے ہیں کہ اُسکے کلام کو صحیح پڑھنے کی محنت سے بھی دور رہنا چاہتے ہیں۔ کیا اللہ کا کلام غلط پڑھنا دل کو ناخوش اور ناراض نہیں کریگا۔

بے حِسوں کو عذاب الٰہی بھی کم
دِیدَہ ور کیلیئے ایک ٹھوکر بہت

اُمّت مسلمہ زوالِ یافتہ اور مُصلِحِینِ اُمّت زمانہ ساز

آج کے مسلمان کی عجیب حالت یہ ہے کہ وہ دونوں حالتوں میں پایا جاتا ہے۔ یا تو وہ قرآن کے الفاظ کو سیکھنے سکھانے (یعنی علم تجوید) کی محنت میں ہے یا پھر قرآن کے الفاظ کو زبانی یاد کرنے (یعنی حفظ) کی محنت میں ہے۔ اسطرح مسلمانوں کی قرآن پر محنت، معانی اور مطالب جاننے پر صرف نہیں ہو رہا ہے یہ ایک المیہ ہے کہ مسلمان نزول قرآن کے راست مقصد یعنی اسکی فہم سے دور ہو گیا۔

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا، جس نے
قبض کی روح تیری دے کے تجھے فکر معاش

جستجو کی چنگاری دل میں گر نہ ہو پیدا
رَاہ رَو کو منزل کی روشنی نہیں ملتی

وہ کونسی کتاب ہے اور وہ کون سا قول ہے جسکے الفاظ پڑھے جاتے ہیں اور اُسی پر اکتفا کیا جاتا ہے اور معنی نہیں سمجھے جاتے ؟ اس کا ایک ہی جواب ہے وہ کتاب اللہ

اور قول رسول اللہ ہے اور وہ کون سی کتاب ہے اور کون سے اقوال میں جنکو سمجھنے کیلئے استاد کی ضرورت نہیں ہے اس کا بھی وہی جواب ملے گا۔

قومی مسلمان اور قرآنی مسلمان۔

جب علمان کی نظر قرآن سے ہٹ گئی تو اُس میں روحانی اور فکری انقلاب نہ آ سکا۔ نتیجتاً مسلمان میں خوف خدا پیدا نہ ہو سکا۔ پھر لازم ہے کہ عاجزی، خاکساری، عفو و در گذر، ایثار و قربانی وغیرہ جیسے اچھے صفات نہیں پیدا ہو سکے۔ علمان اسلاف کے جہادی کارناموں سے یعنی مسلمانوں کی فتوحات والی تاریخ سے اسقدر متاثر ہوا کہ اُس میں ایک قسم کا فخر آ گیا اور ماضی پر فخر، بغیر ماضی کے کارناموں کے عام ہو گیا۔ ماضی پر فخر عمل کا قائم مقام ہو گیا۔ ماضی پر فخر مسلمانوں سے عمل کا جذبہ چھین لیا اور مسلمانوں کو غیر حقیقت پسند بنا دیا۔

پھر کیا ہوا؟ بے فائدہ مشغلوں اور لایعنی کاموں میں زندگی گزارنے والا ہو گیا۔ خود پسندی اور سطحیت پسندی طبیعت میں آ گئی۔

علماء امّت، ہمدردانِ ملّت اور مصلحین ملّت بھی بد قسمتی سے اُمّت کی مطلوب اصلاح اور اُسکی مقصود رہنمائی کرنے کے بجائے عوام کی پوشیدگی کرتے رہے۔ حق گوئی اور بے باکی سے کام لینے کے بجائے، اُن کے بے وقت کے فخر کو جگانے میں ممبر رسول ﷺ سے کام لیا۔ کسی نے ماضی کی عظمت رفتہ کو یاد دلایا، کسی نے بتلایا کہ ہماری تاریخ سب کی تاریخ سے شاندار ہے، کسی نے ثابت کیا کہ ہماری شریعت سب سے زیادہ کامل ہے اور ہمارے اکابر سب سے زیادہ باکمال ہیں۔ اور ہماری اُمت خیر الاُمَم ہے وغیرہ۔ اسی قسم کی فکری غذا زوال یافتہ امّت کو دیگئی۔ جو بالکل بے وقت اور نا مناسب تھی۔

اندھیری رات، طوفانی ہوا، ٹوٹی ہوئی کشتی

یہی اسباب کیا کم تھے کہ اس پر ناخدا تم ہو

یہہ سکّے کا ایک رُخ تھا جو مصلحین امّت نے اُمّت کے سامنے پیش کیا حالانکہ زوال یافتہ اُمّت کیلئے اصلاحی اعتبار سے جو چیز زیادہ اہمیت کی حامل ہے وہ سکّے کا دوسر رُح ہے وہ یہ ہے، کہ اُمّت کو یہ بتلایا جائے کہ اُمّت اُن اونچے اونچے مقامات پر کیسے پہنچی تھی ؟ کن کن مراحل سے گزرنا پڑا تھا، کیسے کیسے مصائب برداشت کرنے پڑے تھے۔ اطاعت دین سے لیکر اقامت دین کے مراحل تک پہنچنے میں کس طرح جانی اور مالی قربانیاں دینی پڑیں۔ صحابہ کرام نے اس دین کی خاطر اپنی پوری زندگی مہاجرانہ، مسافرانہ گزار دی اور انکی جانی ومالی قربانیوں کی بدولت چمن اسلام میں بہار آئی۔

کافی نہیں ہے بیٹھ کے حمد و ثنا کریں

اُٹھو کہ اُٹھ کے حق محبت ادا کریں

فکر کے مراحل سے ذات کے نکھرنے تک

عمر بیت جاتی ہے زندگی سنوارنے تک

مسلمان حقائق حیات سے دور رہنے اور لفظی بلند پروازیوں کے کرشمے دیکھنے کے عادی ہو گئے۔ جس طرح ہوائی فائر (gun fire in air) سے مقصد حاصل نہیں ہوتا اُسی طرح

ہوائی کرشمے دکھانے سے اُمّت محمدیہ کی زوال یافتہ صورتحال میں تبدیلی نہیں آسکتی ۔اُمّت کی حالت اِس وقت ایسی ہے جیسے کوئی پرندہ پر شکستہ ہو۔ایسی صورتحال میں پروں میں قوت پیدا کرنیکی ضرورت ہے۔تاکہ قوت پرواز آئے .

ایسی قوت پیدا کرنیکے لئے اجتماعیت، اِتّحاد اور مُنَظَّم جماعت کی ضرورت ہے۔ اُسکے بعد قوم کی اصلاح شروع ہو۔ جہالت کی جگہ تعلیم، جذباتیت کی جگہ حقیقت پسندی ،انتشار کی جگہ اتحاد اور اطاعت امیر کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ بے صبری ناقص منصوبہ بندی اور عدم مستقل مزاجی کو صبر واستقامت اور مستحکم منصوبہ بندی اور بلند حوصلگی سے بدلنے کی ضرورت ہے۔ دنیارُخی زندگی کو آخرت رُخی زندگی کی طرف پھیرنا ہے۔ یہہ سب زندہ اور باشعور قوم ہو نیکی علامات ہیں۔

مردہ قوم ماضی کو اہمیت دیتی ہے۔ زندہ قوم ماضی اور حال کو پیش نظر رکھ کر مقصد کو اہمیت دیتی ہے۔ مردہ قوم ذات حُسین کو اہمیت دیتی ہے، زندہ قوم مقصد حُسین کو، اسلئے کہ خود حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی ذات مبارک کو حصول مقصد کی خاطر قربان کر دیا اور مقصد کیا ہے؟ اعلاء کَلِمَۃُ اللہ اور دین اسلام کی شَفّافِیت کا تحفّظ۔

زندہ قوم، مقصد حیات کیلئے محنت کرتی ہے اور مردہ قوم ذریعہ حیات ہی کو مقصد بناتی ہے۔ زندہ قوم حقیقت عمل پر نظر رکھتی ہے اور مردہ قوم مظہر عمل پر، زندہ قوم سیرت رسول ﷺ پر اور حیات صحابہ کرام پر نظر رکھتی ہے اور مردہ قوم اُن کو نظر انداز کر کے اکابر کے حکایات کو اہمیت دیتی ہے۔

گُلِ خیال میں، پیدا کمال بو کیجئے
پھر اس کے بعد مہکنے کی آرزو کیجئے

نسکی فضیلت یا نظریاتی فضیلت۔

مسلمان خیر اُمّت ہے یہ بات مُسَلّمَہ ہے لیکن خیر اُمّت والے فضائل کا وِرد کرنے سے خیر اُمّت نہیں کہلاتی بلکہ خیر اُمّت والے اعمال جو صحابہ کر گزرے اُن کو دُہرانا ہے۔

خبر دے رہا ہے محمد کا اُسوہ کہ آسان نہیں ہے مسلمان ہونا
بہت امتحانات در پیش ہونگے بہت سخت راہوں پہ چلنا پڑ لگا

یہود کا طرز عمل یہی تھا کہ انکو اقوام عالم پر فضیلت دیگئ اسکا مطلب یہ تھا کہ وہ تمام دنیا میں اللہ کی طرف سے نمائندگی کیلیۓ منتخب کر لئے گئے اور انکو حکم دیا گیا کہ وہ اس پیشوائی اور سرداری کو قبول کر کے اقوام عالم تک خدائی تعلیمات پہنچائیں تاکہ وہ اِس فضیلت کے حقدار برقرار رہیں اور انعامات الٰہی کو پانیوالے ہو جائیں۔ یہودی اِسبات کو سمجھنے میں غلطی کیے اور وہ یہ سمجھ لئے کہ ہم کو یہ فضیلت یہود ہو نیکی بناء پر ملی ہے۔ یہودی نسل خود فضیلت کی مستحق ہے۔ کیونکہ نسل یہود اللہ کے نزدیک محبوب ہے اور اگر کوئی اس نسل میں پیدا ہو جاتا ہے تو وہ اللہ کا محبوب ہو جاتا ہے۔ تدریجاً یہ خیال بھی اُن کے دل میں جم گیا کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو اُنکی خوش خیالیاں، بے بنیاد توقعات اور خود فریبیوں سے تعبیر فرمایا ہے۔

حالانکہ حقیقت تو کچھ اور ہی ہے۔ یہود کو جو فضیلت دیگر اقوام پر دی گئی تھی وہ دراصل ایک سنگین اور مشکلات سے بھری ہوئی ذمّہ داری سونپی گئی تھی۔ اس ذمّہ داریوں کے احساس کے نتیجے میں یہودیوں میں فکر الٰہی، فکر عمل اور سنجیدگی پیدا ہونا تھا لیکن وہ اس فضیلت کو نظریاتی فضیلت کے بجائے نسلی فضیلت

کے طور پر لئے، اس تحریف اور غلط تعبیر کی وجہ سے اُن میں بے خوفی، فخر اور دلوں میں قساوت اور دوسروں کیلئے حقارت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔

چنانچہ مِن و عَن مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے کہ خیر اُمّت والی

فضیلت

کو وہ نظریاتی فضیلت (یعنی منصب امامت کی محنت والی فضیلت) کے طور پر نہیں

لئے اور یہ

سمجھ بیٹھے کہ خیر امّت والی فضیلت کے مستحق ہونیکے لئے اُمّت محمدیہ میں ہونا کافی ہے۔ حالانکہ خیر اُمّت کی فضیلت پانے کیلئے ﴿أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ کے تقاضے، مطالبے پورا کرنا ہے۔

دنیا رُخی زندگی میں غرق ہو کر فکر معاش کے سیلاب میں بہکر (اگر اسکے ساتھ ساتھ کسی حد تک) ﴿أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ کی تعبیر اُخرِجَت للمسلمین کرتے ہوئے اصلاح المسلمین کے عنوان سے مبتدی سطح کے کام کرکے اپنے کو خیر اُمّت کی فضیلت پانے والا سمجھنا ایک تعبیری غلطی ہے۔ خیر امّت کہلانیکے لئے مسلمانوں کے دائرے سے باہر غیر مسلموں میں اشاعت دین کے عنوان سے کام کرنا خیر امّت کا کام ہے۔

عصر حاضر کے مسلمانوں کے نزدیک سیرت طیبہ نا قابل توجہ

اور

صحابہ کرام کے کارنامے اور اُن کے جانی و مالی مجاہدے بہ سلسلہ اشاعتِ دین اور اقامت دین بے قیمت، اور تابعین حضرات کے علمی کارنامے بے قیمت، اسکے بعد اب کیا باقی رہ گیا ہے؟ اکابر پرستی اور انکے بزرگوں کے ارشادات کا ورد کرنا۔ اُنکے

کرامات، اُنکے الہامات، انکے کشف وغیرہ معجزات انبیاء کی جگہ لے لیے۔ ایسے میں مسلمانوں کی مصروفیات کیا رہ گئے ؟ سارے دینی کاموں کو فروض کفایہ کے خانے میں ڈال کر خود کو دو کاموں میں مصروف کر دیں۔ (۱) نوافل کو فرض کا مقام دید و (۲) قصیدے لکھو اور قوالی سنو۔ اس قسم کی خوش خیالیاں اور خود فریبیاں اللہ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتے کیونکہ مسلمانوں نے خود کو خدا پرستی کے ساتھ دیگر پرستیوں میں بھی مبتلا کر دیا۔

بلا سے لاشئہ اسلام بے کفن ہی سہی
لحد پہ عرس ہو چادر چڑھے چراغ جلے
قوت فکر و عمل پہلے فنا ہوتی ہے
تب کسی قوم کی عظمت کو زوال آتا ہے

زوال یافتہ اُمّت، شاعری کے ذریعے اپنا کھویا ہوا مقام پانے کی محنت میں مصروف ہے

دوُر ازکار مبالغوں اور فرضی تُک بندیوں کا دوسرا نام اردو شاعری ہے۔ اس شاعری کی ایک شاخ خطیبانہ نَشُر ہے۔ رَدِیف قَافِیہ کی زبان میں کچھ کہہ لینے سے سامعین وقتی طور پر محظوظ تو ہو جاتے ہیں، مگر دوُر جدید میں کیا یہ ممکن ہے کہ ایسے کہنے سننے سے ، اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو پا سکے ؟۔ مسلمانوں کا مشغلہ، الفاظ کے ذریعے معرکے سَر کرنا ہے، شاعری، جھوٹے فخر کی غذا ہے اور یہ مسلمانوں کی نفسیات کے حسب حال ہے۔ عصر حاضر، سائنس کا دور ہے ایسے دور میں شاعری ایک

خلاف زمانہ حرکت ہے۔ شاعر کو نہ تو صورت واقعہ سے دلچسپی ہے اور نہ اِسکی جستجو کی فکر ہے۔

مسلمانوں کی ظاہر پسندی۔ خدا کے انکار کرنے والوں کا معاملہ صاف ہے، لیکن جو لوگ خدا کو مانتے ہوئے مشرکانہ انداز رکھتے ہیں اُن پر افسوس ہے۔ کوئی پیغمبر کو خدا کا درجہ دیدیا تو کوئی عالیموں کو پیغمبر کا مقام دیدیا۔ تو کوئی اپنے اکابرین کی عظمتوں میں کھو گیا، کسی کو اپنے رہنما (مرشد) کا قد سب سے اونچا نظر آرہا ہے۔
قدیم شرک کی بنیاد اگر توہمات پر تھی تو جدید شرک کی بنیاد علم اور تہذیب پر ہے (ہو سکتا ہے یہ سائینس کی ترقی کا نتیجہ ہو) لیکن انسان کی فطرت کی ظاہر پسندی ہر زمانے میں رہی ہے۔ وہ راپنے لئے ایک محوس خدا کا وجود ضروری سمجھتا ہے۔ وہ خدا کو مانتے ہوئے بھی عملاً دوسروں کی پرستش میں لگا ہوا ہے۔اور یہ سب کچھ شعوری طور پر ہو رہا ہے۔ چنانچہ ظاہر پسندی کے فطری تقاضے سے لوگ شرک میں مبتلا ہونے لگے، اس لئے ابتداء سے اب تک ایک لاکھ ۲۴ہزار انبیاء بھیجے گئے۔ ہر پیغمبر توحید اور رسالت کی طرف بلایا جیسے لا الہ الا اللہ موسیٰ رسول اللہ یا عیسیٰ رسول اللہ یا محمد رسول اللہ۔

انبیاء کے بعد یہ ذمّہ داری امّت کے علماء حق پر پڑ گئی، تاکہ لوگوں کو محوس پرستی سے ہٹا کر خدا پرستی کی طرف لایا جائے۔ علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔ علماء ایسے وراثت والے منصب کی زمّہ داری کو نہیں نبھا سکے۔ یہ انکی مصلحت پرستی ہے، یا زمانہ سازی یا اپنا تحفظ یا اپنی شخصیت کو مجروح ہونے کے ڈر سے، بہر حال اکثر علماء زمانہ سازی سے کام لئے کیونکہ خیانت کا غلبہ بھی ایک مسئلہ ہے۔

آجکل مُہذب اور تعلیم یافتہ لوگوں کا شرک ، شخصیت

پرستی

اور مادہ پرستی ہے۔ لوگ خدا کو مانتے ہوئے بھی اپنی محبوب شخصیتوں کے پرستار

ہیں۔

زبان سے تو وہ خدا کا اقرار کرتے ہیں مگر عملاً دوسروں کی پرستش کرتے ہیں ۔ عملاً ان کی ساری گرویدگی (Conversion) صرف مادی مصلحتوں اور دنیوی مفادات سے ہے۔ حق بات یہ ہے کہ مُوَحِّد صرف اللہ والا ہوتا ہے اور مشرک اللہ کے سوا دوسروں والا ہوتا ہے۔

کمالِ علم و ہنر نے عامرؔ بنادیا رات کو سویرا
گناہ اتنا حسین کب تھا کمالِ علم و ہنر سے پہلے
بہت ہے شور زمانے میں آگہی کا مگر
جو اپنے رب کو نہ جانے وہ آگہی کیا ہے ؟

عصر حاضر کے مسلمانوں کی شرک میں مبتلا ہو نیکی حسب ذیل صورتیں

درگاہ پرستی، اکابر پرستی ، قبر پرستی ، فقیر پرستی ، علماء پرستی ، عظمت پرستی، توہمات پرستی، خود پرستی، ماحول پرستی ، حالات پرستی ، وقت پرستی، خواہشات پرستی، زوجہ پرستی، زاہر پرستی۔ اولاد پرستی، حالات پرستی ، نسب پرستی، دنیا پرستی ،مادہ پرستی ، وغیرہ۔

جس نے بتوں سے حکمِ بغاوت دیا نہیں

ہو گا خدا کسی کا، وہ میرا خدا نہیں

تصوف اور طریقت

چشت کا خواجہ، جنگ کا راجہ، نَیّا کِھیوَنْ ہار
دامن اُس کا ہاتھ میں ہوتے، کاہے جِیا گھبرائے

تصوف اور طریقت، دین اسلام میں ایک مستقل اور متوازی دین چلا آرہا ہے۔ اور ہندوستان کے مسلمان اکثر و بیشتر اپنے دل کی گہرائیوں سے اس سے متاثر ہیں۔ اور اس کو دین اسلام سمجھے ہوئے ہیں، جسکو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں ۔چنانچہ ہندوستان میں تقریبا ۸۰۰ سال مسلمان حکومت کرنے اور آج ۳۰-۲۵ کروڑ کی تعداد میں ہونیکے باوجود انکو وہ مقام حاصل نہ ہو سکا جسکے وہ مستحق تھے۔ اور نہ اسلام اپنے اثرات چھوڑے گا۔ اسکی وجہ سے یہاں مسلمان کہیں کہیں اور اسلام برائے نام ہے ایسی صورت میں اللہ کی مدد مسلمانوں کے شامل حال کیسے ہو سکتی ہے۔

ہر کوئی مستِ مئے ذوقِ تن آسانی ہے
تم مسلماں ہو! یہ اندازِ مسلمانی ہے!
حیدری فقر ہے، نے دولتِ عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے؟
وہ زمانے میں معزّز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قُرآں ہو کر

انسانوں کی اصلاح کیلئے انبیاء کا آنا جانا

جب بھی نسل انسانی کی اصلاح کیلئے کوئی نبی آتا تو اُسکے گزر جانے کے بعد لوگ اُسکی تعلیمات کو مسخر کرتے تھے ۔ اور اُسکے کچھ حصے کو بھُلا بھی دیتے تھے۔ اور کچھ تحریف بھی کرتے تھے۔ جسکی وجہ سے بگاڑ دو بارہ قائم ہو جاتا تھا۔ چنانچہ پھر دوسرے نبی کے دنیا میں آنے تک ایک عرصہ گزر جاتا ایسے دور کو فِترت کا دور کہا جاتا ہے (یعنی دو زمانوں کے درمیان)۔ فترت کا دور، فطرت انسانی کیلئے ایک کٹھن اور آزمائشی دور ہوتا ہے کہ انسانی فطرت ہمیشہ حقیقت کی تلاش میں اور ہدایت کی جستجو میں رہتی ہے۔ چنانچہ اپنے قلب کی تسکین کیلئے لوگ خود ساختہ ریاضتیں، مجاہدے اختیار کر لیتے ہیں۔ ہندوستان میں ہندو پنڈتوں اور جوگیوں کے جوگیانہ میلانات سے ایک شکل وجود میں آئی اُس کا نام رُہبانیت ہے

رُہبَانِیّتُ کیا ہے؟

اس کا مادہ رھب سے ہے جسکے معنی خوف کے ہیں، اسطرح رہبانیت کے معنی خوفزدگی ہوا۔ اور رُہبانیت کے معنی ہیں "مسلک خوفزدگان" اصطلاحاً اِس سے مراد ہے کسی شخص کا دنیا کے فِتنوں کے خوف سے اور دوسرا اپنے نفس کی کمزوریوں کی بناء پر دونوں سے محفوظ ہو جانے کا راستہ نکالنا۔ یعنی دنیا کے فتنوں سے دور رہنا ہے، تو ترک دنیا کرنا اور نفس کے فتنوں سے دور ہنا ہے تو نفس کُشی کرنا۔ یعنی نفس کو ایسی اَذِیّتوں اور مجاہدوں میں ڈالنا کہ اُس کی وجہ سے گناہوں سے محفوظ ہو کر خدا کے قریب ہو سکے۔

ترک دنیا کی شکل یہ ہوتی ہے کہ اس مسلک کے لوگ دنیا چھوڑ کر جنگل کی راہ لیتے، پہاڑوں، غاروں میں پناہ لیتے ۔ حالانکہ کسی بھی مذہب میں رہبانیت کو فرض نہیں کیا گیا، لیکن لوگ اللہ کی خوشنودی کی تڑپ اور طلب میں خود ساختہ

طور پر یہہ چیزیں فرض کر لئے کہ، نفس کی اصلاح اگر مطلوب ہے تو شادی بیاہ اور تولید (begetting) اور تناسُل (generation) سے دور ہو جائیں۔ اور دنیا کے فتنوں سے چھٹکارا پانا ہے، تو جنگل کی راہ لینا ہے۔

اسلام جب آیا تو ان دونوں باتوں کو یعنی ترک دنیا اور نفس کُشی کے خود ساختہ طریقوں کو غیر اسلامی بتلایا۔ا

للہ کے رسول ﷺ نے فرمایا» لا رھبانية في الإسلام« یعنی اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں ہے۔

دوسری جگہ آپ نے ارشاد فرمایا » رھبانیۃ ھٰذہ الامّۃ الجھاد في الاسلام« (یعنی اس امّت محمدیہ کی رہبانیت جہاد فی الاسلام ہے) یعنی اس اُمّت کیلیئے روحانی ارتقاء کا راستہ ترک دنیا نہیں ہے بلکہ اللہ کی راہ میں (دنیا میں رہتے ہوئے) جہاد کرنا ہے یعنی فرار پسندی کے بجائے ان کا مقابلہ کرنا جہاد کہلاتا ہے ۔۔۔۔ پیغمبری خود زمانہ کے لوگوں سے ایک قسم کی نظریاتی کشمکش کرنا ہے۔ایسے پیغمبر کی اُمّت فرار سندی پر عمل پیرا ہو تو وہ نہ تو نبوت والا کام ہوا اور نہ اطاعت رسول ہوی اور نہ اطاعت الٰہی ہوئی ۔۔ اگر نبی دنیا بیزار اور دنیا والوں سے بیزار ہوتا تو دین کی اشاعت کیسے ہوتی ؟

ستیزہ گاہ عمل سے عامر جو کنج عزلت میں لا بٹھائے
وہ زہد ہے یاس و بزدلی کو جواز دینے کا اک بہانہ

انسان اور اسکی زندگی کا مقصد: انسان اپنی عقل سے وضع کردہ نظاموں میں اُلجھ کر ہمیشہ اِفراط اور تَفریط کا شکار رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان صرف وحی الٰہی کے قانون

کے تحت ہی متوازِن زندگی گزار سکتا ہے، کیونکہ انسان کا خالق خود بہتر جانتا ہے کہ انسان کیلیئے کس قسم کا قانون ہونا چاہیے۔

اس کائنات میں پُر اَسرار چیز "زندگی" ہے۔ انسان خود انسان کو سمجھے بغیر انسانوں کے لیے نظام زندگی اور اُس کے بنیادی مسائل کسطرح حل کر سکتا ہے۔ پیغمبر اسلام ایک امّی تھے۔ اسکے باوجود جبرئیلؑ بار بار کہہ رہے تھے کہ " اقرأ" اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر پڑھنا نہیں بھی آتا ہے تب بھی پڑھو اور اگر لکھنا نہیں جانتے تب بھی لکھو۔ اس اعتبارے دین اسلام کی اساس تعلیم اور تعلّم ہے۔ اسلام میں علم کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اللہ کی شریعت کتاب کی صورت میں انبیاء پر اُتاری گی۔ قلم کے ذریعے اسکو لکھا گیا۔ یہ کتاب اور قلم دونوں ہی علم کی علامت ہیں۔ وحی کو قلم اور کتاب سے وابستہ کرنا بذات خود اسبات کا ثبوت ہے کہ دین خداوندی کی بنیاد، علم پر قائم کی گئی ہے۔

اسلام کا خمیر، علم اور قلم سے اُٹھا ہے۔ علم سے دین اسلام کے سفر کا آغاز ہے۔ تعلیم دین فرض کے درجے میں ضروری ہے۔ تعلیم کا ایمان سے گہرا تعلق ہے۔ ایمان کیا ہے؟ ایمان دراصل خداوندی کی صداقت کو شعوری اور روحانی طور پر دریافت کرنا ہے۔ایمان ہی کا دوسرا نام علم ہے۔ اسکی اہمیت کے مد نظر ایمان (اعتقاداً) بصورت کلمہ توحید فروض عین کی فہرست میں پہلے نمبر پر ہے ۔ مقصد کے لحاظ سے غالباً سب سے زیادہ محروم اور مظلوم "علم" ہے کیونکہ اصل میں علم ہی مقصد حیات کو سمجھنے میں مدد گار ہے۔

اسلام "سلم" سے نکلا ہے جس کے معنی سلامتی۔ امن کے ہیں یعنی امن کو حاصل کرنا اسلام کو قبول کرکے پھر امن کو عام کرنا اسلام ہی کے ذریعے۔

عصر حاضر میں حصول علم ، برائے ملازمت رہ گیا۔ عہد نبوی کا امتیاز یہی تھا کہ اسوقت تعلیم اور تعمیل دونوں ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ نظریات اور نظائر میں فرق نہیں ہوتا تھا۔ جاننا اور پھر کرنا دونوں الگ الگ باتیں نہیں تھیں۔

لو جاں بیچ کر بھی، جو علم و ہنر ملے
جس سے ملے، جہاں ملے، جس قدر ملے
آپ تو قافلے کے نگہبان تھے
آپ کیوں اسقدر بے خبر ہو گئے
وہ جُرات سَراپا وہ ہمت مجسم،
وہ راتوں کا عابد وہ دن کا سپاہی
وہ جس نے سیاست کی زلفیں سنواریں
وہ جس نے فقیری میں کی بادشاہی
بات پر بات یاد پھر آئی
لکھ چکا تھا اگرچہ ساری بات

صحابہ کرام اور اشاعت دین:- کثیر افراد کا وجود اس دنیا میں ایسا ہے کہ اُن کا اس دنیا میں آنا اور اس دنیا سے وقت پر چلا جانا، کاروان انسانی کیلئے کسی خاص دلچسپی اور اہمیت کا حامل نہیں ہوتا۔ البتہ بعض ہستیاں ایسی ہیں جنکے اثرات ، انسانی معاشرے پر ایسے گہرے اور اسقدر وسیع ہوتے ہیں کہ صدیاں گزر جانے کے باوجود انکی یاد جب بھی آتی ہے، آنکھیں پُرنم ہو جاتی ہیں۔ دل پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یہہ تھے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ، جو نہ صرف خدا شناس تھے بلکہ دین اسلام کو عام کر نیکی خاطر اپنے جانیں اور اپنے اموال لگا دیے۔ وطن کی

محبت کو اس دین پر قربان کر دیا۔ انکی زندگیوں کا عنوان اشاعت اور اقامت دین ہی تھا۔

میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی
میں اس لئے مسلمان، میں اس لئے نمازی

صحابہ کرام کے کارنامے حسب ذیل اشعار کی ترجمانی کرتے ہیں۔

میں بھی اور باپ بھی، شوہر بھی، برادر بھی فدا
اے شہ دین! ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم
تھا وہ بھی زمانہ اے عامرؔ! بازو تھے ہمارے تیغ و سناں
اب تیغ و سناں کی صورت کو دیکھے سے پسینہ آتا ہے
خرد کی پستیاں کہاں جنوں کی رفعتیں کہاں
جنوں ہے مستقل یقیں خرد ہے سربسر گماں
ہم ایسے اہل جنوں پر ہنسے نہ کیوں دنیا
کہ سر کٹا کے سمجھتے ہیں کامران ہوئے
صدیاں ہوئیں کہ آئی تھی گلشن میں فصلِ گل
لیکن دلوں سے اس کا تصّور نہیں گیا

مسلمان اور غلامی :- دنیا، اعلاء کَلِمَۃُ اللّٰہ کے سلسلے میں کئے ہوئے مجاہدوں کی رہتی دنیا تک داد دیتی رہیگی۔ فروض کفایہ پر عمل پیرا ہو نیکی مجاہدانہ سرگرمیاں اور کاوشیں قرونِ اول میں اسقدر تھیں کہ دین اسلام آدھی سے زیادہ دنیا میں پھیل گیا۔ چنانچہ دنیا ہی میں صحابہ کرام میں سے کچھ تو جنت کی بشارت پاگئے اور بقیہ کو رضی اللہ عنھم کے لقب سے نوازا گیا، صحابہ کی حیات طیبہ میں کیا "معیار زندگی" اور اُس

کی محنت کو ایک فتنہ سے بھی زیادہ سمجھا جاتا تھا۔ وہ پاک نفُوس جسم اور جان کے رشتے کو قائم رکھنے کیلئے کھاتے پیتے تھے۔آج اس اَکل اور شرب کو اسقدر اہمیت دی گی ہے کہ مسلمانوں کا سواد اعظم گردش لیل و نہار میں اسی کے حصول کیلئے سر گرداں ہے۔ اور یہ ذریعہ حیات برائے بقاء حیات، مقصد حیات کا مقام لے چکا اور مقصد حیات نظروں سے او جھل ہو گیا۔

ہائے اسلام یہ کیا ہو گئی حالت تیری
رونا آتا ہے مجھے دیکھ کے صورت تیری

وہ مقدس ہستیاں اچھی طرح واقف تھیں کہ بغیر حکومت کے نہ تو شرعی احکام کا نفاذ ہو سکتا ہے اور نہ خود دین اسلام کی حفاظت ہو سکتی ہے۔ یوں سمجھ لو کہ قرآن مجید کا ایک بڑا حصّہ نا قابل عمل رہ جاتا ہے, اس لئے قرآن نے اسلام کے غلبہ اور عزّت (یعنی حکومت) کے حصول پر زور دیا ہے۔ چنانچہ اسکی خاطر خون بہا کر دین اسلام کو سارے ادیان پر غالب کر دیا۔

عشق فرمودہ قاصد سے سبک گام عمل
عقل سمجھ ہی نہیں معنی پیغام ابھی

مسلمان قوم اگر غلام ہو جاتی ہے تو شریعت پر عمل پیرا ہونا مشکل امر ہو جاتا ہے۔اس لئے اسلام، غلامی کا سب سے بڑا دشمن ہے۔

نہ ہو مذہب میں جو زور حکومت
یہہ دین کیا ہے؟ فقط اک فلسفہ ہے

آنیوالی نسلیں صحابہ کرام کے عزم اور فرض شناسی اور ایثار اور قربانی کے جذبات کی بلائیں لیتی رہینگی۔

اے دور خلافت تیری عظمت کی قسم
خواب میں تجھ کو ترستی ہے نگاہ بیدار

امّت مسلّمہ کی عصر حاضر کی مجموعی صورتحال کا تجزیہ یہ بتلاتا ہے کہ یہ امّت اُن فروض کفِایہ کو نظر انداز کر رہی ہے جو مسلمانوں کی اجتماعی قوت اور مسلمانوں کی مملِکت کے استحکام کے ضامن ہیں، جیسے سائنس ، ٹکنالوجی ، صنعت وحرفت ، الکٹرانک میڈیا ، پرنٹ میڈیا وغیرہ کیونکہ ان میدانوں میں سبقت اور نمایاں شرکت وہ بنیادی چیز ہے جس سے مسلمان غافل ہیں۔ اگر مسلمان خود کو صحیح طور پر عبدیت کا آئینہ دار بنائیں اور اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے کے بجائے اپنے کام کو نمایاں کرتے رہیں ، تو ایک وقت ایسا آئیگا کہ مسلمان ہر کارواں کا میرِ کارواں ہو جائیگا۔

چنانچہ اس طرح دعوت دین غیر مسلموں میں نہیں ہو رہی ہے اور اصلاح المسلمین کیلئے علم دین کو عام کرنیکی محنت نہیں ہو رہی ہے۔ اس لئے اکثریت صحیح علم دین سے دور اور رسومات اور روایات اور توہمات اور بریلویت کو گلے لگائے ہوئی ہے۔ بدعت کو سنت کے طور پر اپنانا عام ہو گیا ہے۔ ظالم حکمرانوں، دین حق سے منحرف لوگوں کا مقابلہ اور اُن کے سامنے اعلان حق وغیرہ وہ اُمور (فروض کفایہ) ہیں جن سے امّت مجموعی طور پر غفلت برت رہی ہے۔

اَلوقتُ ہو الحیاۃ:- ہر ادمی اس دنیامیں اپنی

زندگی میں اپنے عمل کے ذریعے کوئی نہ کوئی نتیجہ پیدا کرنے میں مصروف ہے۔ غرض ہر آدمی اپنے گرد و پیش اپنی ایک دنیا کی تخلیق میں ہے جو عین اُس کے عمل کے مطابق ہے۔ اس اسبابی اور اعمالی دنیا کے ہر عمل کا اخلاقی پہلو مستقل طور پر اپنے انجام کی تخلیق کا نام یا تو جنت ہے یا دوزخ ہے۔

انسان اور اسکی آزادی:۔ ہر بُرائی جو زمین پر (انسانی دنیا) میں ہوتی ہے وہ دراصل اللہ کی طرف سے دی ہوئی آزادی کے غلط استعمال کا نتیجہ ہے۔ انسانی دنیا خدا کی کائنات کا بہت چھوٹا سا حصّہ ہے۔ مگر وہ عظیم کائنات کے مجموعی نظام سے ہم آہنگ ہونے کے بجائے بغاوت کی روش پر ہے۔ اکثر لوگ پیٹ اور نفس امّارہ کی پرستش میں لگے ہوئے ہیں۔ اور اُن کے دن مفاد پرستانہ خوش اخلاقی - تجارتی اخلاق اور خوش فہمی میں گزار رہی ہیں۔ مسلمان وہ ہے جو اپنی زندگی خدا کے قانون زندگی کے مطابق گزارتا ہے نہ کہ آزاد ہو کر گزرتا ہے۔

کائنات اور انسان:- انسانی علم کی روشنی میں کائنات ، منزل نظر آتی ہے۔ مگر پیغمبرانہ علم کی روشنی میں وہ گزر گاہ بن جاتی ہے۔ انسانی علم کا نتیجہ دنیوی خوشحالی ہے جو عارضی ہے۔ اور پیغمبرانہ علم کی روشنی میں انسان کو خالق سے ملایا جاتا ہے۔ مخلوق چھوٹنے والی ہے اور خالق سے ملاقات ضروری ہے

علم نبوت اور ہم :- علم نبوت دراصل علم حقیقت کا دوسرا نام ہے۔ لذّتیں جنت میں ہیں اور فریب لذّت دنیا میں ہے، انسانی تعلیم کی ساری توجھ کا مرکز "اب" ہے اور پیغمبرانہ تعلیم کی توجہ کا مرکز "تب" ہے۔ دنیوی تعلیم کا مقصد ذہن کو دنیا رخی

بناتا ہے اور پیغمبر ان علم کا مقصد آخرت رخی بناتا ہے۔ اس دنیا میں انسان بیک وقت دو تقاضوں کے درمیان ہے۔ ایک عبدیت کا تقاضہ اور دوسرا امتحان کا تقاضہ۔ عبدیت کا پہلو زور کرتا ہے کہ آخرت رخی طرز کو نہ چھوڑے اور امتحان کا پہلو زور کرتا ہے کہ آدمی دنیا رُخی زندگی اختیار کرلے۔

وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف وجملہ معاونین و اہل وعیال کو اجر کثیر سے نوازے اور اس کتاب کو ان کی میزان میں حسنات کا ذخیرہ بنادے اور اس کا نفع عام فرمادے۔

مؤلف

الحاج قاری محمد ارشاد علی

مولوی عالم (نظامیہ) بی۔ کام (عثمانیہ)

ڈی۔ یف۔ ی۔ ناگپور کالج

" مولف کتاب "اصلاحی تحفہ" خادم تدریس القرآن باہتمام

باہتمام

صاحبزادہ محمد طاہر علی